کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

نعیم بن قعنب ریاحی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملنے گیا۔ وہ خود موجود نہ تھے' ان کی اہلیہ گھر پر تھیں۔ ان سے پوچھا کہ حضرت ابوذرؓ کہاں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: وہ دیکھو اپنے اونٹوں کے ساتھ آرہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے دو اونٹوں کو قطار میں لیے آپہنچے۔ دونوں کی گردنوں میں پانی کے مشکیزے لٹک رہے تھے۔ انھیں اتار کر زمین پر رکھا۔ ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا: مجھے آپ کی ملاقات سے زیادہ کسی کی ملاقات محبوب نہ تھی' اور آپ کی ملاقات سے زیادہ کسی کی ملاقات ناپسند بھی نہ تھی۔ یہ سن کر انھوں نے حیرت کا اظہار کیا اور فرمایا: دو متضاد باتوں کا اجتماع کیسے ہوگیا؟ میں نے کہا: میری ایک مشکل تھی کہ میں نے دور جاہلیت میں ایک بچی کو زندہ درگور کرنے کا جرم عظیم کیا تھا۔ اب میں توبہ اور نجات کے بارے میں امید و بیم کی حالت میں ہوں۔ ملاقات اس لیے محبوب تھی کہ توبہ اور نجات کے بارے میں آپ سے پتا چل جائے (تو بے انتہا خوشی ہوگی) اور ناپسند اس لیے کہ آپ سے ملنے کے بعد اگر معلوم ہوا کہ توبہ اور نجات نہیں ہے تو جو تھوڑی بہت امید تھی' وہ بھی ختم ہو جائے گی (اور پریشانی ہوگی)۔ انھوں نے پوچھا: کیا یہ کام جاہلیت میں کیا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کو معاف کر دیا ہے جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں ہو گئے ہوں۔

اس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے گھر کے اندر اہلیہ کی طرف اپنا سر جھکایا اور میرے لیے کھانا لانے کا حکم دیا جس پر انھوں نے کوئی پروا نہ کی۔ دوبارہ کہا تو انھوں نے پھر وہی رویہ اختیار کیا۔ اس پر تلخ کلامی ہوئی اور دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: اچھا تو پھر خاموش رہو' اور اپنی مرضی کرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمھارے بارے میں فرمایا ہے تم اس سے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتیں۔ میں نے پوچھا: رسولؐ اللہ نے ان کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ عورت ایک پسلی کی طرح ہے۔ اگر اسے زور سے سیدھا کرو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر سختی سے پیش نہ آؤ گے تو پھر اس سے مطلوب ملے گا' اس حالت میں کہ اس میں کسی درجے میں کجی باقی ہوگی۔ یہ

سن کر وہ چلی گئیں اور کبوتر کے گوشت کی طرح کا لذیذ کھانا لے آئیں۔ حضرت ابوذرؓ نے مجھے فرمایا' کھانا کھائیں اور میرے بارے میں فکرمند نہ ہوں' میں روزے سے ہوں۔ یہ کہہ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے' رکوع بہت شائستگی سے لیکن مختصر کیے (میں نے کھانا شروع کر دیا)۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ میں سیر ہو کر کھالوں یا سیر ہونے کے قریب ہو جاؤں (جب انھیں اندازہ ہو گیا کہ میرا گزارا ہو گیا ہے) تب وہ آگئے اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔ میں نے اس پر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو کہنے لگے: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: دوسرے لوگوں سے تو مجھے ڈر ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے جھوٹ بولیں گے لیکن آپ سے تو یہ اندیشہ نہ تھا۔ انھوں نے فرمایا: اللہ تیرا بھلا کرے۔ جب سے آپ آئے ہیں' میں نے آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے کہا: کیا آپ نے مجھ سے فرمایا نہیں تھا کہ آپ روزے سے ہیں اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کھانا کھا رہے ہیں! انھوں نے فرمایا: ہاں! سچ ہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس لیے کہ میں نے اس مہینے کے تین دن روزے رکھے ہیں۔ پس پورے مہینے کے روزوں کا اجر آج کے دن سمیت میرے لیے (ان شاء اللہ) ثبت ہو گیا ہے اور میرے لیے آپ کے ساتھ کھانا جائز ہو گیا" (الفتح الربانی' ج ۲۲' ص ۲۳۵)۔

اس طویل حدیث میں بہت سی باتیں سیکھنے کی ہیں:

جب حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ نے مہمان کے لیے کھانا لانے میں لیت و لعل سے کام لیا' تو حضرت ابوذرؓ نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ کھانا نہیں لانا تو پھر خاموشی سے اپنا کام کریں اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سنا دی۔ اس پر اہلیہ کے دل میں نرمی پیدا ہو گئی اور وہ اپنی مرضی سے بہترین کھانا لے آئیں۔

حضرت ابوذرؓ کا حدیث پر عمل' اہلیہ کا حدیث سن کر اپنا رویہ بدل لینا' اگر اس طرح ہم اپنے گھروں میں رسولؐ اللہ کے فرمودات سن کر ہی نہ رہ جائیں بلکہ ان کے مطابق اپنے کو ڈھال لیں' تو زندگی کتنی اچھی ہو جائے گی۔

حضرت ابوذرؓ نے مہمان کو سیر ہو کر کھلانے کی خاطر' تین دن کے روزے سے مہینے بھر کے روزہ دار ہونے کی رعایت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہ معاملات میں ظرافت طبع کی بھی مثال ہے۔

یہ بات غور کرنے کی ہے کہ گھر میں اتنا کھانا نہیں کہ مہمان اور صاحب خانہ ساتھ بیٹھ کر کھالیں (ہماری دعوتوں میں کتنا ضائع کیا جاتا ہے!)

صحابہ کرامؓ میں یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی جس کی ایک مثال حضرت ابوذرؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد پر عمل ہے کہ غصہ کی حالت میں بھی' نفسانی جذبات کو حدیث رسولؐ کے تابع کر دیا اور بردباری سے کام لیا۔

صحابہ کرامؓ مسائل پوچھنے کے لیے آنے والے لوگوں کو جواب دے کر ان کی تشفی بھی کرتے اور ان کے ساتھ حسن اخلاق سے بھی پیش آتے۔ سائلین کی مہمان نوازی بھی کرتے تھے اور ان کے لیے زندگی کے مختلف

شعبوں میں اپنی سیرت و کردار سے عملی نمونے بھی پیش کرتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ نے نعیم بن قعنب ریاحی کے سامنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی قولی تعلیم کے ساتھ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا۔

O

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی آدمی ایک بات کو حق سمجھتا ہو، اس نے اس کا مشاہدہ کیا ہو یا بذات خود سنا ہو تو لوگوں کا رعب اسے حق بات کہنے سے نہ روکے (الفتح الربانی، ج ۱۵، ص ۲۲۱)۔

اس لیے کہ اصل رعب تو اللہ کا ہے، لوگوں کا نہیں۔

O

حضرت معاذ بن انس جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جس میں اللہ کی یاد زیادہ ہو۔ پھر پوچھا: کون سا روزہ دار افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو اللہ کو زیادہ یاد کرتا ہو۔ پھر نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقے کے بارے میں یہی سوال کیا تو آپؐ نے ہر ایک سوال کا یہی جواب دیا کہ جس میں اللہ کی یاد زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ابوحفصؓ! (حضرت عمرؓ کو مخاطب کیا) اللہ کی یاد کرنے والے تو ساری بھلائیاں سمیٹ کر لے گئے۔ یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا: "ہاں" (الفتح الربانی، ج ۱۴، ص ۲۰۳)۔

اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی شان اور نعمتوں، حقوق اور احکام کا استحضار ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو بندگی کی راہ پر قائم رکھتی اور چلاتی ہے۔ یہ اعمال کی روح ہے۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظرانداز کرتا ہے تو وہ زبان سے ذکر کرنے کے باوجود اللہ کی یاد سے غافل ہے، وہ ذاکر شمار نہ ہو گا۔

O

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب بیت اللہ شریف کا حج کر کے واپس آنے والے سے ملاقات ہو تو اسے سلام کہو، مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمھارے لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استغفار کرے، کہ اس کے گناہ تو معاف کر دیے گئے ہیں (الفتح الربانی، ج ۱۳، ص ۲۷)۔

دعا کرنا عبادت ہے۔ آدمی خود اپنے لیے دعا کرے اور دوسروں سے بھی دعا کرائے، خصوصاً نیک لوگوں سے اور ان لوگوں سے جو کوئی نیک کام کر کے آئے ہوں۔ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، وہ اللہ کی بات مانتے ہیں، وہ اللہ کو پکاریں گے تو اللہ بھی ان کی بات سنیں گے۔ حج کر کے واپس آنے والے نے اللہ تعالیٰ کو لبیک کہا، اب جب

وہ اللہ سے مانگے گا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی پکار کا جواب دیں گے۔ اس لیے حجاج کرام اور مجاہدین سے دعا کرانا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔

○

حضرت جابر بن عتیکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک غیرت وہ ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے' اور ایک وہ ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح ایک تکبر وہ ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے' اور ایک وہ ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے۔ وہ غیرت جسے اللہ پسند کرتا ہے وہ ہے جو اس وقت پیدا ہو جب کوئی ناجائز اور حرام کام کا مرتکب ہو۔ وہ غیرت جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ ہے جو اس آدمی کے خلاف پیدا ہو جو جائز کام کرتا ہے۔ وہ تکبر جو اللہ کو پسند ہے وہ ہے جو اللہ کی خاطر لڑائی اور اس کی راہ میں صدقہ کے وقت پیدا ہو' اور وہ تکبر جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ ہے جو محض حسب و نسب' مال و دولت اور قابلیت و صلاحیت پر ہو (الفتح الربانی' ج ۱۳' ص ۵۷)۔

اللہ کے دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا' اسے پسپا کرنا' اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے خوش ہونا' اور بڑے کام کر گزرنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے حدیث میں تکبر سے تعبیر کیا گیا جو حقیقت میں تکبر نہیں ہے۔ حقیقت میں تکبر اللہ کے مقابلے میں بڑا بننا' اس کے احکام کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ محض بڑا ہونے یا بڑا کام کرنے کا احساس تکبر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ سخی آدمی اپنے آپ کو بخیل کے مقابلے میں اچھا سمجھے گا اور بڑا خیال کرے گا' تب ہی سخاوت کرے گا اور بخل سے بچے گا۔

جن کاموں کو اللہ نے ناجائز قرار دیا ہے ان سے خود اجتناب کرنا اور دوسرے لوگوں کو روکنا' ایمانی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے۔ لیکن جو کام شرعاً جائز ہوں' ان کے خلاف غیرت کھانا جاہلیت ہے۔ اسی طرح خاندان' نسل و نسب اور خداداد صلاحیتیں' قابلیتیں اور کمالات موجب فخر نہیں ہیں۔ ایک انسان کے لیے اگر کوئی چیز قابل فخر ہے تو وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان و مال سے جہاد اور اللہ کی بندگی کے کام ہیں۔ یعنی انسان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں یہ چیزیں بڑائی کا ذریعہ ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو بھی انسان اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے اور لوگوں کے ساتھ متکبرانہ رویہ اختیار نہ کرے۔ کسی کو کیا پتا ہے کہ اس کا جہاد اور نیکی قبولیت پا چکی ہے اور وہ اللہ کے ہاں بڑے لوگوں میں شامل ہو گیا ہے۔

یہ حدیث تقاضا کرتی ہے کہ انسان باطل کے سامنے دبنے' جھکنے اور خوف کھانے کی بیماری سے بچے کہ اللہ تعالیٰ کو باطل کے مقابلے میں کھڑا رہنا اور مقابلہ کرنا پسند ہے۔ اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تکبر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل باطل کے مقابلے میں بڑا بنایا ہے: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمرٰن ۳:۱۳۹) تم ہی بڑے ہو اگر تم ایمان والے ہو۔